ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

یونس جاوید بحیثیت محقق اور نقاد

محمد وقار عظیم: ریسرچ سکالر، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس

نزہت بشیر: اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

Abstract.

Yunus Javed stands out as a versatile literary figure, playing a pivotal role in shaping human consciousness, culture, and civilization. Originating from humanity's inherent curiosity about nature, this curiosity catalyzed the awakening of consciousness and the subsequent flourishing of fine arts. As a researcher and editor, Yunus Javed significantly contributed to evaluating literary works, including the editing of Ahmed Bashir's 'Jo Miley Thay Rastay Mein' and Imam Buksh Nasikh's 'Complete Works of Imam Buksh Nasikh.' Titles like 'Saheefa Iqbal,' 'Various Aspects of Iqbalism,' and 'Bahauddin Zakariya' form integral parts of his literary legacy. His commitment to research and editing not only illuminated Pakistan's literary landscape but also earned him prestigious accolades, including the Presidential Award for Excellence. Under the mentorship of renowned figures, Javed became a guiding light in literature, research, and editing. The subsequent article underscores Javed's prowess as a translator, emphasizing his dedication to truth and extensive contributions to Urdu literature through research and editorial endeavors. It recognizes his literary evolution from a writer to a respected researcher and editor, shaped by the mentorship of luminaries in the field. This article explores the literary contributions of Younis Javed in his roles as a researcher and critic

Key Words: Research, criticism, younas Javed, literature, Editing

کلیدی الفاظ: تحقیق، تنقید، یونس جاوید، ادب، تدوین

انسانی شعور اور اس کی تہذیب و تمدن نے ارتقاء کی لامحدود منازل طے کی ہیں۔ آغازِ آفرینش سے ہی انسان نے اپنے گرد و پیش میں پھیلے ہوئے مظاہرِ فطرت، اشیاء اور ماحول کو نگاہِ حیرت سے دیکھنا شروع کیا۔ انسان کا یہی تجسس اور غور و فکر اس کے شعور کی بیداری کا سبب بنا۔ بعد ازاں اسی ضرورت نے فنونِ لطیفہ کی طرف پیش رفت کی۔ اپنی بنیادی ضروریات کی تسکین کے احساس نے اسے اپنے اظہار کی طرف رغبت دلائی۔ فطرت و جبلت کے وحشی جذبوں کو تہذیب و لطافت کے رنگ میں ڈھالنے کے لیے انسان نے فنونِ لطیفہ کا دامن تھامتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا۔ اچھے اور برے میں فرق کی تمیز نے انسان کو تحسین و تنقیص کے اظہار کی راہیں دکھائیں۔ اپنے جذبوں کے اظہار کے لیے ادب تخلیق کرنا شروع کیا تو شاعری، نثر اور دوسری صورتوں میں سامنے آنے لگا۔ ان تخلیقات کو پرکھنے اور اور ان کی قدر و قیمت کا تعین کرنا ایک تجزیاتی زاویہ ہے جسے جدید اصطلاح میں تنقید کہا جاتا ہے۔ تنقید کی صلاحیت انسان کو اچھائی اور برائی میں پہچان کی صفت سے متصف کرتی ہے اور یوں انسان اپنی اس صفت کے فیضان سے چیزوں کی حقیقت کو معلوم کرنا ضروری تصور کرتا ہے لہذا چیزوں کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے اسے راہِ تحقیق پر چلنا پڑتا ہے دوسرے الفاظ میں ہم کہ سکتے ہیں کہ تحقیق تنقید کے لیے مواد فراہم کرتی ہے۔ تحقیق اور تنقید کو الگ نہیں کیا جا سکتا، دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے لہذا ایک اچھے محقق کے لیے اچھا نقاد ہونا بھی ناگزیر ہے۔

یونس جاوید ایک ہمہ جہت ادبی شخصیت ہیں۔ دوسری اصنافِ سخن میں عمدہ کام کے ساتھ تحقیق و تدوین میں بھی ان کا کام اپنی اہمیت کا حامل ہے۔ احمد بشیر کے خاکوں کی تدوین، ''جو ملے تھے راستے میں'' کلیاتِ امام بخش ناسخ کی تدوین ایک کٹھن مرحلہ تھا جو انھوں نے طے کیا۔ ''کلیات امام بخش ناسخ'' پی ایچ۔ ڈی تحقیق جتنا کام تھا جو یونس جاوید نے انتہائی محنت، عرق ریزی سے مکمل کیا۔ ''حلقہ ارباب ذوق (تنظیم تحریک نظریہ)'' کے عنوان سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کی۔ ''صحیفہ اقبال''، ''اقبالیات کی مختلف جہتیں''، ''بہاؤالدین زکریا'' (تصوف) ان کے گراں قدر ادبی میراث میں شامل ہیں۔ تحقیق و تدوین کا کام بلاشبہ جواں مرد، باہمت لوگوں کا کام ہے۔ یونس جاوید ایک فعال و متحرک، سرگرم، علمی و ادبی شخصیت کے مالک ہیں۔ اپنی علمی، ادبی تحقیقی و تدوینی خدمات سے ملک پاکستان کا نہ صرف نام روشن کیا بلکہ کئی ایوارڈز بھی اپنے نام کیے جن میں صدارتی ایوارڈ برائے حسن کارکردگی شامل ہے۔ یونس جاوید کو اپنے دور کے استاد محققین کا چہیتا شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ جن میں نمایاں نام پروفیسر سید وقار عظیم، سجاد باقر رضوی، خواجہ محمد ذکریا، ڈاکٹر وحید قریشی، جو علم و ادب اور تحقیق و تدوین کے حوالے سے معروف نام ہیں۔ جن کے علمی و ادبی کارنامے نوجوان نسل کے لیے مشعل راہ ہیں۔

یونس جاوید نے قلم کو حق و صداقت کا ترجمان بنایا ہے اور ایسے لوگ ہی حقیقی لفظوں میں تحقیق و تدوین کے فرائضِ منصبی پر صحیح معنوں میں پورا اترتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں اِن کی فطری جرات و بے باکی پوری صداقت کے ساتھ نظر آتی ہے۔ انھوں نے حق و صداقت کا پیامبر بن کر اپنے قلم کو حقیقت لکھنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ انھوں نے

اپنے علمی وادبی، تحقیقی، تنقیدی، تدوینی کام میں اُردو ادب کے باب میں خوشگوار اضافے کیے ہیں۔ حقیقت کی جستجو، سچ کی تلاش، مواد کی جانچ پڑتال، پرکھ، مواد کی چھان پھٹک اور اس سے نتائج کا استخراج ہی تحقیق ہے۔ یہ زندہ معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ تاکہ حق اور سچ کو سامنے لایا جائے۔ ایک محقق کو ادبی اوصاف کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔ اُس کو تحقیقی موضوع کے علاوہ دوسری اصناف ادب کے متعلق علم ہونا بہت ضروری ہے۔ یونس جاوید کے وسیع مطالعہ اور قوت مشاہدہ کے ساتھ سچ لکھنے کی روش اُن کو ایک محقق اور مدون ہونے کی کڑی شرائط پر پورا اتارتی ہے۔ حق اور سچ ہی وہ کڑا معیار ہے جو ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر سیّد عبداللہ، قاضی عبدالودود، رشید حسن خاں، ڈاکٹر طارق ہاشمی، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، امتیاز علی عرشی، اطش درانی، مشفق خواجہ، حافظ محمود شیرانی، وزیر آغا، سیّد وقار عظیم، حنیف نقوی، گیان چند جین کے ہاں نظر آتا ہے۔

یونس جاوید نے افسانہ نگاری سے ابتدا کی پھر ڈرامہ نگاری کی طرف راغب ہوئے۔ اپنے آپ کو ان شعبوں میں منوانے کے بعد محققین کے خار گزار راستے پر چل نکلے اور اپنی محنت، لیاقت، قابلیت اور ذہنی استعداد سے اس میں بھی سرخرو ہوئے۔ ان کا ادبی ذوق، اساتذہ کی سرپرستی، ''مجلس ترقی ادب'' میں ملازمت، نامور ادیبوں کی رفاقت اور تنقیدی شعور اُن کو ایک محقق اور مدون بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یونس جاوید نے تحقیق و تنقید کے ساتھ ساتھ تحقیق کا کام جاری رکھا جو کہ ان کا خاص وصف ہے۔ تحقیق کے متعلق عمومی طور پر یہ تاثر پیدا کیا گیا ہے کہ جامعات میں ہونے والی تحقیق مکمل کرنے کے بعد محقق ڈگری تک محدود ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد تخلیقی سفر کو روک دیتا ہے جس سے تخلیق کا عمل متاثر ہوتا ہے مگر یونس جاوید ایک تخلیق کار کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ انھوں نے تحقیق، تنقید اور تدوین کے ساتھ ساتھ اپنے لکھنے کے عمل کو متاثر نہیں ہونے دیا اور فطرتی طور پر آگے بڑھتے گئے۔ گیان چند جین لکھتے ہیں:

> ''جب میں نے پہلی بار الٰہ آباد یونیورسٹی میں ڈی فل کے لیے ریسرچ کی تو مجھے میرے نگران نے فٹ نوٹ لکھنے کے بارے میں ہدایت نہیں کی۔ میں نے اپنا مقالہ ''اردو کی نثری داستانیں'' جیسے کا تیسا انجمن ترقی اردو پاکستان کو اشاعت کے لیے بھیج دیا۔ ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا تو فٹ نوٹوں سے معرا تھا۔ جنوری ۱۹۸۷ء میں خدابخش لائبریری پٹنہ میں اردو کے تحقیقی مقالوں پر ایک سیمینار ہوا شرکا میں جموں یونیورسٹی کے ریڈر ڈاکٹر ظہورالدین بھی تھے۔ انھوں نے ایک زمانے میں میری نگرانی میں جموں میں پی ایچ ڈی کی تھی۔ سنا ہے کہ کسی اعتراض کے جواب میں انھوں نے سیمینار میں کہا کہ میں نے ان کی ریسرچ کے دوران انھیں تحقیق کے طریقے نہیں بتائے تھے۔ ان کا یہ کہنا درست تھا۔ میں اس زمانے میں اصولِ تحقیق سے بہت کچھ واقفیت حاصل کر چکا تھا۔ لیکن وہ میرے ذہن میں ترتیب شدہ شکل میں نہیں تھے۔ چنانچہ میں اپنے زیرِ نگرانی اسکالروں کو صریحاً اس کا درس نہیں دیتا تھا۔''(1)

مقالہ ہذا میں ''یونس جاوید کے بحیثیت محقق اور نقاد مقام و مرتبہ کا تعین کیا گیا ہے۔ اس میں سب سے پہلے ان کو بطور مدوّن دیکھیں گے یوں تو انھوں نے اپنی عمر کا سنہری دور ''مجلس ترقی ادب'' میں گزار دیا۔ عمر بھر مخطوطوں، مضامین، کتابوں کی ترتیب، تدوین میں اور ''صحیفہ'' جیسے شمارے کی ادارت بھی کی۔

''کلیاتِ ناسخ''

اصل متن کی بازیافت یا متنی تنقید ایک پیچیدہ اور مشکل کام ہے جس میں نسخوں کی جمع آوری کے لیے کئی برس تک لگ جاتے ہیں۔ مختلف نسخوں کے مطالعہ اور اس پر تحقیق کے بعد اصل متن کی تشکیل تدوین کہلاتی ہے۔ کلیاتِ امام بخش ناسخ کی تدوین یقیناً یونس جاوید کا اہم تحقیقی کام ہے۔ جس میں انھوں نے نہ صرف اس کی تدوین کی ملکہ تحقیق اور تنقید کو بھی ساتھ رکھا۔ یونس جاوید نے مختلف نسخوں کو جمع کر کے اسے قابل مطالعہ اور قابل فہم شکل میں تدوین کے مقرر کردہ ضابطوں، اصولوں اور معیارات کو مد نظر رکھتے ہوئے عصری تقاضوں کے مطابق مجلس ترقی ادب کی ملازمت کے دوران میں بڑی جاں فشانی سے مکمل کیا۔

یونس جاوید کی اس کاوش کو تدوین اور ترتیب متن کی عمدہ مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس میں مدوّن محقق کے ساتھ متنی نقاد کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ انھوں نے تحقیق و تدوین کے تمام مروّجہ اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ''کلیات امام بخش ناسخ'' کو اس طرح سے تشکیل دیا ہے کہ اس سے اس کی تفہیم آسان ہو گئی۔ تدوین کے اصولوں میں پہلا اصول اس مخطوطے تک رسائی ہے جسے تدوین کرنا مقصود ہو۔ اگر اصل مخطوطہ حاصل نہ ہو تو اس کا عکس، قریب العہد مخطوطہ نسخہ و وحید یہ وغیرہ کار آمد ہوتے ہیں۔ عام طور پر تدوین کو تحقیق کا ایک جزو کہا جاتا ہے۔ یونس جاوید نے تدوین کے ان تمام اصولوں کو کاربند ہو کر تدوین کے منصب پر فائز ہوئے ہیں۔ تدوین کے عمل کا آغاز کی تحقیق، چھان پھٹک، سچ کی تلاش سے ہوتا ہے۔ تخلیقی متن کے اندر ہمیشہ غلطیوں کے امکانات رہتے ہیں اور یہی امکانات قاری کو مصنف سے دور کرتے چلے جاتے ہیں۔ مدونین حضرات اپنی کاوشوں سے قاری کو مصنف کے قریب ترین متن کے پاس لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یونس جاوید مجلس ترقی ادب کے ملازم تھے۔ مجلس ترقی ادب میں ان کے علاوہ سید امتیاز علی تاج، خلیل الرحمان داؤدی،

کلب علی خان فائق، ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر گوہر نوشاہی، عشرت رحمانی، سید مرتضیٰ حسین، فاضل لکھنوی، سید عابد علی عابد، ممتاز منگلوروی، ریاض احمد، شفقت رضوی، قیوم نظر، ڈاکٹر میمونہ بیگم انصاری، ڈاکٹر ظہیر فتح پوری، آغا سہیل، ڈاکٹر محمد اسلم قریشی، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، سیّد وقار عظیم، ڈاکٹر نورالحق نقوی اور پروفیسر حمید احمد خان شامل تھے۔ مجلس ترقی ادب کے ادیبوں نے بڑی محنت شاقہ سے تدوین کا کام کیا جس میں ''کلیاتِ ناسخ'' کو یونس جاوید نے مرتب کیا۔

امام بخش ناسخ کو پہلوان سخن بھی کہا گیا ہے۔ ناسخ صاحب دیوان شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں لفظوں کی محنت اور اصول شاعری کا کافی خیال کیا جاتا ہے۔ انھوں نے زیادہ تر غزلیں کہی ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے رعبایاں، قطعات، تاریخیں اور مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ انھوں نے مشکل زمینوں، انمول قوفی اور طویل ردیفوں میں صرف شاعری ہی نہیں کی بلکہ استادی بھی تسلیم کرائی۔ انھوں نے زبان وبیان کے قوانین کی خود پیروی کی اور اپنے شاگردوں سے ان کی پابندی کرائی۔ یونس جاوید نے اس کو مرتب کیا ہے۔

یونس جاوید نے دیگر قدیم نسخوں کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا ہے۔ ''نسخہ مصطفٰی'' ۱۲۶۷ھ، مطبع نولکشور، محمدی کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا اور متن میں نسخہ نول کشور ۱۸۷۲ء کو رکھا گیا ہے اور نسخہ مصطفٰی (اول دوم) اور نسخہ مطبع محمدی کے اختلافات کو حاشیے میں درج کیا گیا ہے۔ مجلس ترقی ادب لاہور نے اسے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ یونس جاوید نے مرتب کرتے ہوئے پہلی جلد میں صرف غزلیات کو رکھا ہے۔ جب کہ دوسری جلد میں ردیف کی غزلوں کے علاوہ ناسخ کا دوسرا کلام موجود ہے۔ کلیاتِ امام بخش ناسخ اپریل ۱۹۸۷ء کو شائع ہوئے۔ جس کے ناشر احمد ندیم قاسمی تھے اور اس کا انتساب بھی یونس جاوید نے مجلس ترقی ادب کے ناظم الامور کے نام ان الفاظ سے کیا ہے۔ ''مشفق ومہربان جناب احمد ندیم قاسمی کے نام'' پہلی جلد میں غزلوں کی ترتیب ردیف کے حساب سے ہے۔ یہ کٹھن مرحلہ تھا مگر یونس جاوید جیسے کہنہ مشفق محقق نے آخر یہ مرحلہ طے کر ہی لیا۔ اس کا سبب امام بخش ناسخ کے کلام کا حصول تھا جو ایک صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے۔ یونس جاوید لکھتے ہیں:

> ''کلیاتِ ناسخ کی ترتیب کے آغاز پر میرے پاس کلیات کا صرف ایک ایڈیشن تھا جو مطبع خاص نولکشور سے ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کی نقل کے ساتھ ساتھ دوسرے کسی ایڈیشن کی تلاش وجستجو جاری رکھی اور بالآخر مجھے ''نسخہ مصطفائی'' کا ایک ایڈیشن جو ۱۲۶۷ھ سے پہلے کا تھا، مل گیا۔ اس کے ساتھ ہی مصطفائی ایک اور ایڈیشن بھی مل گیا جو ۱۲۶۷ھ سے پہلے کا تھا۔ مگر یہ ناقص تھا۔ اس کے شروع اور آخر والے چند صفحات نہیں تھے۔ مگر چونکہ یہ ۱۲۶۷ھ والے ایڈیشن کی سطر سطر نقل تھا لہٰذا اسے بھی سامنے رکھ لیا گیا۔ دونوں ایڈیشنوں میں بہت کم اختلاف ہے۔ مگر جو چند اختلاف ہیں وہ کارآمد ہیں۔''(2)

اس کے بعد نولکشور کے کچھ دوسرے ایڈیشن یونس جاوید کو ملے جب انھوں نے کام کا آغاز کیا تو مطبع محمدی سے شائع شدہ پہلا ایڈیشن ۱۲۵۸ھ والا ان کے ہاتھ آیا۔ یونس جاوید نے ترتیب دیتے وقت تینوں نسخوں کے اختلافات کو حاشیے میں درج کیا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے اپنا ذاتی نسخہ (نسخہ مطبع محمدی) ان کے حوالے کیا۔ جس سے کام میں آسانی ہوئی۔ ''کلیاتِ ناسخ'' کا ترانوے صفحات پر مبنی مقدمہ یونس جاوید کے تحقیقی تنقیدی شعور کا عکاس ہے۔ مقدمے میں انھوں نے امام بخش ناسخ کے فکر وفن، حالاتِ زندگی، لکھنؤ کی طرزِ معاشرت، زبان کے صاف کرنے اور ان کی شاعرانہ عظمت کو بیان کیا ہے۔ ناسخ کی اصلاح زبان کی کوششوں میں اردو زبان میں پیدا شدہ خرابیوں، اُس کو رواج دینے، شاعری میں نازک خیالی، پر شکوہ اور بلند آہنگ الفاظ کا استعمال، داخلیت سے زیادہ خارجیت پر زور تھا۔ اس وقت مصحفی کے شاگرد آتش لکھنؤ میں ولی کے اسلوب کی آخری بڑی یادگار تھے ایسے میں فطری بات تھی کہ وہ اور ان سے زیادہ ان کے حامی اور شاگرد، ناسخ کی شاعرانہ بغاوت کی مزاحمت کرتے۔ نتیجہ یہ تھا کہ لکھنؤ میں ناسخ اور آتش کے حامیوں کے دو گروپ بن گئے اور اس مسابقت کا مثبت پہلو یہ تھا کہ اس نے دونوں اساتذہ کی شاعری کو خوب چمکا دیا۔ ہوا کا رخ بہر حال ناسخ کے ساتھ تھا۔ ناسخ نے جو بنیاد رکھی تھی ان کے شاگردوں نے اس کی عمارت کو بلند کیا اور باقاعدہ ایک لکھنؤ سکول وجود میں آیا اور شاعری پر چھا گیا۔ یونس جاوید لکھتے ہیں:

> ''شعر وشاعری اور مشاعروں کی محافل کا بازار پورے لکھنؤ میں گرم تھا۔ مگر اس کے ساتھ علمی تحقیق اور اصلاحِ زبان کا سلسلہ بھی کچھ ایسا پھلا پھولا کہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ جس میں ناسخ خصوصی اور مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی تحریک کی بدولت لکھنؤ، دلی کے مقابلے میں ادب کا دبستان اور مرکز ہونے کے دعوے دار تھا اور شاید یہ بات درست بھی تھی اس لیے کہ دلی کی پوری انجمن ہی لکھنؤ میں اُٹھ آئی تھی۔''(3)

دہلی کی طرح لکھنؤ کا شیرازہ بھی بکھر جانے کے بعد لکھنؤ اور دہلی سکول کی تفریق دھیرے دھیرے مٹتی گئی اور شاعر دونوں سے آزاد ہو گئے۔ اودھ کی شان مٹ جانے کے بعد ناسخ کو خیالی اور احساس وجذبہ سے عاری شاعری کرنے والوں کے زمرہ میں ڈال دیا گیا۔ یونس جاوید کا یہ اقدام یقینی طور پر ناسخ کی شاعرانہ قدر کے از سر نو تعین کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرانے میں اہمیت کا حامل ہے۔ ناسخ اپنی شاعری میں لفظوں کے نئے نئے تلازمے تلاش کر کے ان کے لیے نئے استعارے وضع کرتے ہیں۔ وہ بے جوڑ الفاظ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

میں اپنی صناعی سے ربط پیدا کر کے پڑھنے والے کو حیرت آمیز مسرت سے دوچار کر دیتے ہیں۔ان کی بلند آہنگی ذہنوں کو متاثر کرتی ہے۔وہ اپنی خیال آفرینی میں بھاری بھر کم، الفاظ استعمال کرتے ہیں توان کے کلام کے لیے بے ساختہ منہ سے داد نکلتی ہے۔بلند آہنگی ناسخ کے کلام کا عام جوہر ہے جو دل کو نہ سہی دماغ کو ضرور متاثر کرتا ہے۔ناسخ لفظوں کے پرستار تھے۔ان کے معنی ان کے لیے ثانوی حیثیت رکھتے تھے۔ان کو اپنے شعری اسلوب پر ناز تھا۔لیکن وہ میر، سودا اور درد کے عقیدت مند تھے۔

اس امر کی ضرورت تھی کہ ناسخ کے کلام کو یکجا کر کے، اس کی کاٹ چھانٹ، ترتیب، چھان پھٹک کر کے عام قاری کے سامنے پیش کیا جاتا۔لکھنؤ اسکول کے بانی پہلوان سخن امام بخش ناسخ کے کلام کی عمدہ ترتیب کا اعزاز مجلس ترقی ادب کے عہدے دار یونس جاوید کو حاصل ہوا۔"کلیاتِ ناسخ" کی پہلی جلد میں تین سو تیرہ غزلیں شامل ہیں۔"کلیاتِ ناسخ" کی تدوین کے لیے ایک ٹیم درکار تھی جسے اکیلے یونس جاوید نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔اب تک کلیاتِ ناسخ کے جتنے بھی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخے دستیاب تھے۔انھوں نے اس سے استفادہ کیا اور ایک مستند نسخہ "کلیاتِ ناسخ" کی شکل میں منظر عام پر لائے۔اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محقق نے اس نسخے کی تدوین میں کافی محنت کی ہے۔مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخوں تک رسائی حاصل کرنا اور پھر حاصل شدہ مواد کو خوبصورت انداز میں پیش کرنا ایک عمدہ کام ہے۔یونس جاوید نے مقدمے میں تمام نسخوں کا تعارف بھی پیش کیا ہے۔"مجلس ترقی ادب" میں کلاسیکی ادب پہ بیش قیمتی کام کیا گیا ہے جو کہ قابل قدر ہے۔ناسخ ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔"کلیات ناسخ" کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اُن کی شاعری میں لفظوں کی صحت اور اُصولِ شاعری کا کافی خیال کیا گیا ہے۔

"کلیاتِ ناسخ" کی تدوین کے ساتھ یونس جاوید نے ناسخ کا مکمل تعارف تحقیق کے بعد پیش کیا۔یونس جاوید کی تحقیق کے مطابق ناسخ نے فارسی، عربی اور ہندی الفاظ کے لیے تذکیر و تانیث کے قاعدے مقرر کیے۔ثقیل اور بدنما الفاظ و محاورات کو ترک کر کے لطیف و فصیح الفاظ اور محاورات رائج کیے۔مثال کے طور پر "ٹک" کے بجائے "ذرا"، "پسنٹ" کی بجائے "بہت"، "تجھ سوا" کے بجائے "تیرے سوا" وغیرہ۔ثقیل اور بھونڈے ہندی الفاظ کو ترک کیا۔فارسی اور عربی الفاظ زیادہ استعمال کیے جس سے زبان میں وسعت پیدا ہوئی۔غلط افعال کو ترک کیا۔ناسخ کو اردو ادب میں دو حیثیتوں سے نمایاں مقام حاصل ہے۔ایک ان کی اصلاح زبان کی تحریک اور دوسرے ان کی شاعرانہ مشاقی اور قادر الکلامی جہاں تک دبستان لکھنؤ کی نمائندگی کا تعلق ہے۔اس سلسلے میں آتش اور ناسخ دونوں کے نام لیے جاتے ہیں۔آتش اس حوالے سے خوش نصیب ہیں کہ اُن کے کلام پر بہت زیادہ تحقیقی کام ہو چکا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں ناسخ کو حقیقی مقام و مرتبہ نہیں دیا گیا۔اس حوالے سے مجلس ترقی ادب اور یونس جاوید کی کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

"جو ملے تھے راستے میں"(تدوین)

یونس جاوید کے تحقیقی و تدوینی کام میں اس کے تذکرے کی بہت اہمیت ہے کہ اس کتاب نے نہ صرف یونس جاوید کو خاکہ لکھنے کا ایک اسلوب دیا بلکہ خاکہ نگاری کے باب میں جب بھی منفرد اور حقیقت نگاری پر مبنی خاکہ سازی اور تحقیق و تنقید کی بات ہوتی ہے۔احمد بشیر اور یونس جاوید کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔اس کتاب کے چھپنے کے بعد وہ شور مچا کہ الامان، احمد بشیر نے اس کے جواب میں پیش لفظ کے سولہ صفحات لکھے جو تاریخ اردو ادب میں منفرد اور جداگانہ اسلوب، طرز اور فکر کے عکاس ہیں جن کے مطالعہ سے قلم کی قوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اس خاکوں کے مجموعے میں احمد بشیر کے دو خاکے جو اُن کی اپنی ذات کے متعلق ہیں۔یونس جاوید نے "جوگی" کے نام سے اور ممتاز مفتی نے "غنڈہ" کے نام سے لکھے ہیں۔یہ دونوں خاکے بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔یونس جاوید نے کتاب کو مرتب کرتے وقت ان دونوں خاکوں کو ترتیب میں رکھا ہے۔پہلے "جوگی" پھر "غنڈہ" اس کے بعد "چراغ حسن حسرت" مولانا حسرت موہانی، میرا جی، احسان دانش، ظہیر کاشمیری، ممتاز مفتی، خواجہ خورشید انور، قدرت اللہ شہاب، وارث میر، میجر اسحاق، کشور ناہید، عبدالمجید بھٹی، بریگیڈیئر عاطف کے خاکے شامل ہیں۔یونس جاوید نے تین سال کی محنت سے خاکے اکٹھے کیے اوران کو شائع کرادیا۔یہ محض ایک خاکوں کی کتاب ہی نہیں بلکہ یونس جاوید نے اردو ادب کے بڑے بڑے ادیبوں کو ایک جگہ پر اکٹھا کر کے پیش کر دیا ہے۔جس میں اُن کی حقیقی زندگی کا رُخ نظر آتا ہے۔یونس جاوید نے گزشتہ پچاس برس کے رسائل اور اخبارات، دوست احباب اور مختلف مضامین کی چھان پھٹک کے بعد اس کو ترتیب دیا۔اس کے لیے ان کو کئی تاریک کنوؤں میں اترنا پڑتا۔اُن کی طبیعت میں سچ کی تلاش، حق کی جستجو، حقائق کی چھان بین، کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ایک خاکے کے حصول کے لیے کتنی محنت کی اس کا اندازہ اُن کی اس تحریر سے لگایا جا سکتا ہے۔

> "میں نے کشور کا خاکہ کسی طریقے سے حاصل کر لیا۔گویا میں نے اپنے کام کی بنیادی اینٹ حاصل کر لی تھی۔یہ خاکہ یقیناً اس ٹائپ مشین پر ٹائپ کیا گیا تھا جو پہلے پہل اردو ٹائپ کے لیے ایجاد کی گئی ہو گی۔مگر نامکمل اور ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بدخط ٹائپ کا مجھے یہ فائدہ ہوا کہ میں نے ہر ہر حرف غور سے پڑھا اور ہر ہر لفظ کو مکمل بھی کیا اور محظوظ بھی ہوا۔پھر اسے نئے سرے سے ٹائپ کروا کر سنبھال لیا۔اس خاکے کی عجیب شہرت تھی کہ ہر کوئی اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔لندن سے لاہور تک اکثر اہلِ دل نے مجھ سے رابطہ کیا اور ایک مرتبہ تو حمید اختر صاحب جو لندن سے لوٹے تھے افتخار عارف کا پیغام بھی مجھے دے گئے کہ اس

خاکے کی کاپی لندن بھجوائی جائے مگر ایسا نہ کر کے میں نے اس خاکے کو ضائع ہونے سے بچائے رکھا۔ میں چاہتا تھا کہ احمد بشیر کے باقی کام کو جمع کر کے کچھ کیا جائے۔ سو میں اس کام کے لیے جو بعد میں مشکل کام ثابت ہوا۔ ایسی ایسی لائبریریوں کے بند شیلفوں میں جھانکا جن میں قدم رکھنے کا ارادہ تھا نہ مقدر۔۔۔ شروع میں ناکامی ہوئی کیوں کہ بشیر صاحب کو تاریخیں اور سن یاد نہ تھے۔ بہر حال جب کامیابی ہوئی تو ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ احمد بشیر کی اپنی ذات بھی اپنے قابو میں ہوتی چلی گئی اور پھر اس نے بھی اس کام کو سنجیدگی سے لے لیا۔ وہ یوں کہ مجھے شاباش دینے کے ساتھ مدد بھی کی۔ شروع میں میرا خیال تھا کہ جب میں انھیں مطلع کروں گا تو وہ ناراض ہو جائے گا مگر حیرت ہے کہ ناراض ہونے کی بجائے وہ خوش ہوا۔ لگتا تھا پتھر دل حقیقت نگار موم ہو چکا ہے کہ اس نے کشور ناہید کے خاکے کے حواشی لکھنے کا وعدہ کر کے مجھے مستعد کر دیا حتیٰ کہ لکھ بھی دیے۔ سب خاکوں کی طرح یہ حواشی بھی قلم برداشتہ لکھے گئے تھے اور کمالِ فن تو یہی ہے کہ جن باتوں اور باریکیوں کے بغیر خاکہ مکمل نہیں ہوتا۔"(5)

تعریف، تحسین اور خوشامد کون ہے جس کو پسند نہیں۔ یونس جاوید اس کتاب کا دیباچہ لکھنے لگے تو احمد بشیر کا خاکہ ہو گیا۔ مصنف کے بقول احمد بشیر نے ان کا ماتھا چوم کر کہا کہ "مفتی نے جو میرا خاکہ لکھا ہے۔۔۔ مستند لوگوں کو خیال ہے کہ تمہارا خاکہ اس سے اچھا ہے۔۔۔" حوالے کے طور پر انھوں نے محمد علی صدیقی، زاہدہ حنا، فرمان فتح پوری کے ساتھ خود بھی اس بات کی تائید کی مگر دونوں خاکوں کا تقابل کیا جائے اور تنقیدی شعور کی رو سے اس کتاب کے دونوں ابتدائی خاکوں کا مطالعہ کیا جائے تو ممتاز مفتی کا لکھا ہوا خاکہ اسلوب، زبان، تکنیک کے لحاظ سے ایک بلند مقام کا حامل ہے۔ "علی پور کے ایلی" نے لکھنے کے تمام فنی لوازم کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے شاہکار خاکہ لکھا ہے۔ یونس جاوید کے خاکے میں عقیدت کا رنگ ہے جب کہ ممتاز مفتی نے جو خاکہ لکھا ہے اُس میں بے تکلفی اور احمد بشیر کی شخصیت کی صحیح عکاسی ملتی ہے۔ یونس جاوید احباب کے لیے ہمیشہ نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ منتشر خاکے جمع کر کے احمد بشیر کو خاکہ نگاری میں منٹو کی صف میں کھڑا کر دیا اور خود بھی اُسی صف میں شامل ہو گئے۔ تحقیق و تدوین کا عمل بے حد لگن، محنت، شوق، جستجو، سچ کی تلاش، صبر، بلند حوصلے کا متقاضی ہے۔ ایک محقق کی کسوٹی پر اِن کی شخصیت مکمل طور پر پورا اُترتی ہے۔ اس کاغذی خوشبو کے حامل ادبی ماحول میں شخصیات کی اصل پرتوں کو عام قاری کے لیے کھولنا آسان نہیں احمد بشیر کے خاکوں میں ممتاز مفتی، قدرت اللہ شہاب، اشفاق احمد، حسرت موہانی، احسان دانش، چراغ حسن حسرت کی زندگی کے وہ پہلو دیکھنے کو ملتے ہیں جس کی جھلک اُن کے کام پر ہونے والی تحقیق اور تنقید میں کہیں نظر نہیں آتی۔ یونس جاوید لکھتے ہیں:

"یہ ہیرے جواہرات ہیں، جواہر پارے ہیں۔ جو لگ بھگ آدھی صدی پر محیط رسائل و اخبارات میں پڑے کرم خوردگی کا شکار ہونے کو تھے کہ میں نے انھیں چن لیا۔ اس لیے کہ تخلیقی سطح کے یہ جواہر پارے اپنی تکمیل چاہتے تھے۔ یہ تکمیل، احمد بشیر کی تھی۔ اس کی ذات کی، اس کے ہنر کی، اِس کی لاپرواہی کی، اس کی پیشن گوئیوں کی۔ بہت سی پیشین گوئیاں سچ ثابت ہو چکی ہیں۔ بہت سی ہو رہی ہیں اور بہت سی ہونے والی ہیں (خدا نہ کرے کہ قحط والی پیشن گوئی پوری ہو لیکن جن حالات کی بدولت اس نے یہ پیش گوئی کی تھی وہ ہر لمحہ اسی سمت جا رہے ہیں) نہ آبادی کا زور ٹوٹا نہ انتشار کا۔ سرمایہ چند لوگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا اور وائٹ کالر لوگ بے حد مشکل حالات میں جی رہے ہیں۔ آلودگی اور شور جیسے چھپے دشمنوں کے لیے باقاعدہ ایک محکمہ تو ہے مگر لوگوں کو اس سے نجات دلانے کے لیے نہیں۔۔۔ کھانے پینے اور پلانے کے لیے ہے۔ احمد بشیر جانتا ہے کہ سب درست ہو جائے۔۔۔ ایک نئی صبح طلوع ہو۔ جس کی حرارت کم از کم عید کے آغاز جیسی ہو۔ زیادہ سے زیادہ لوگ کچھ نہ کچھ لے سکیں۔۔۔ خواہ ایک صاف ستھرا سانس ہی سہی۔ اس کی کتاب میں نے مرتب کر لی تو وہ معصوم بچوں کی طرح کھل کھل گیا۔ اس کی خوشی اس کے وجود میں سما نہیں رہی تھی۔ بار بار اس نے مجھے چوما، پیار کیا اور اپنی ذات کا ایسا نرم اور مہربان گوشہ بھی میرے سامنے رکھ دیا۔ لیکن ہوا یوں۔۔۔ کہ کتاب چھپتے ہی اس پر واجب القتل کے فتوے صادر کر دیئے گئے اور بہت شور مچنے لگا۔ ہاہا کار مچ گئی۔"(6)

"حلقہ اربابِ ذوق"(تحریک، تنظیم، نظریہ)

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ایک طوفانی تحریک تھی۔اس تحریک نے بلاشبہ خارجی زندگی کا عمل تیز کر دیا تھا۔ چنانچہ اس تحریک کے متوازی ایک ایسی تحریک بھی عمل میں آئی جس نے نہ صرف خارج کو بلکہ انسان کے داخل میں بھی جھانک کر دیکھا۔ 29 اپریل 1939ء کو سید نصیر احمد جامعی نے اپنے دوستوں کو جمع کیا جن میں نسیم حجازی، تابش صدیقی، محمد فاضل وغیرہ شامل ہیں۔انھوں نے ایک ادبی محفل منعقد کی۔ نسیم حجازی نے اس میں ایک افسانہ پڑھا اور اس پر باتیں ہوئیں۔اس کے بعد اس محفل کو جاری رکھنے کا منصوبہ بنایا گیا اور رسمی طور پر اس کا نام "مجلس داستان گویاں" رکھا گیا۔ جسے بعد میں تبدیل کر کے "حلقہ ارباب ذوق" رکھ دیا گیا۔ "مجلس داستان گویاں" کی ابتدائی نو مجالس کے بعد اس کے پاؤں جمنا شروع ہو گئے تو اس کا نام تبدیل کیا گیا۔ مجلس کے ادب کی فہرست کو دیکھا جائے تو اس میں افسانہ نگار کم اور شاعر زیادہ نظر آتے ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے زمانے میں ہی کچھ ادبا دوسری نہج پر چل رہے تھے۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ترقی پسند تحریک کے ردِ عمل کے طور پر لکھ رہے ہیں۔ بعض محققین نے اس حقیقت سے اختلاف کیا ہے۔ حلقہ ارباب ذوق جو ادبا کے مل بیٹھنے کا بہانہ تھا۔اس میں کچھ خاص فرق واضح نہیں البتہ حلقہ ارباب ذوق نے اپنی بساط ترقی پسند تحریک کی خارجیت اور مادیت کے ردِ عمل کے طور پر بچھائی "حلقہ ارباب ذوق" کے مصنّفین نے مادیت سے گریز اور خارجیت اور داخلی جذبات کے اظہار کا درس دیا۔اس نے رومانی تحریک کی روایات کو تازہ کرنے کی کوشش کی۔اس طرح "ترقی پسند تحریک" اور "حلقہ ارباب ذوق" ایک عہد کی دو تحریکیں ہونے کے باوجود مختلف مزاج لے کر مختلف مکاتبِ فکر کی نمائندگی کرتی رہیں۔اس تحریک سے وابستہ ادیبوں میں میراجی، قیوم نظر، یوسف ظفر، نسیم حجازی، مختار صدیقی، انجم رومانی، ناصر کاظمی، سعادت حسن منٹو، مجید امجد، ضیاء جالندھری، ممتاز مفتی، مظفر علی سید، الطاف فاطمہ، اختر الایمان، منیر نیازی، وزیر آغا، اعجاز فاروقی، سجاد باقر رضوی، جیلانی کامران، شہزاد احمد، شہرت بخاری، نذیر ناجی، انتظار حسین، انور سجاد، مسعود مفتی، اشفاق احمد، کرشن چندر، اوپندر ناتھ اشک، راجندر سنگھ بیدی، شکیب جلالی، وحید قریشی کے نام قابل ذکر ہیں۔ تنقید میں حلقہ ارباب ذوق نے یکسر مختلف رویہ قبول کیا اور ابہام کے برعکس فن پارے کے بے رحم تجزیے کا رجحان پیدا کیا۔ حلقہ کی تنقید کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے فن پارے کے حسن کے فیصلے کو محض ذاتی تاثر کی میزان پر نہیں تولا بلکہ فیصلے کے لیے جواز مہیا کرنا بھی ضروری قرار دیا۔ حلقہ فن نے فن کی دائمی قدروں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ یہی زاویہ حلقہ ارباب ذوق کا امتیازی نشان بن گیا۔ ادب برائے زندگی کے نعرے کے دوران میں حلقے نے ادب برائے ادب کے نظریے کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔"حلقہ اربابِ ذوق" کی تحریک کو شعرا نے تازگی اور توانائی عطا کی۔اس تحریک کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے نئے لکھنے والوں کو شدت سے متاثر کیا اور اب تک ادب لکھنے والے جو تجربات کر رہے ہیں اس کی تخلیقی اساس "حلقہ اربابِ ذوق" کی تحریک پر ہی استوار ہوئی ہے۔اس تحریک کے بانیوں میں شیر محمد اختر، نسیم حجازی اور رفیع پیرزادہ شامل ہیں۔اشفاق احمد کے افسانوں میں محبت کی تصویر بے حد لطیف ہے۔ان کے الفاظ محبت کے مرکزی نقطے پر گردش کرتے ہیں تاہم ان کے موضوعات متنوع ہیں۔انتظار حسین "حلقہ اربابِ ذوق" کا ماہر افسانہ نگار ہے۔اس نے اردو افسانے میں تجریدیت اور علامت نگاری کے متعدد تجربے کیے۔اس کو اردو افسانے کی نئی جہت کا پیش رو شمار کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ افسانہ لکھنے والوں میں ممتاز مفتی، آغا بابر، منٹو، رشید امجد، منشا یاد وغیرہ شامل ہیں۔ بحیثیت مجموعی "حلقہ ارباب ذوق" قوی اور فعال تحریک ہے۔ جس کا ذکر انور سدید نے اپنی تحقیق "اردو ادب کی تحریکیں" میں کیا ہے۔ایک فرد کی کوشش نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔اس کا خوبصورت پہلو یہ ہے کہ مضبوط پلیٹ فارم کی صورت میں اب بھی فعال ہے۔

یونس جاوید کی تحقیق نے حلقہ اربابِ ذوق کو ایک جامع شکل میں پیش کیا۔انھوں نے آغاز و ارتقا سے حلقہ کے اجلاس، عہدیداروں، ادیبوں کی روداد بڑے منظم انداز سے کی ہے۔انتظار حسین لکھتے ہیں:

> "یونس جاوید نے حلقہ کو تحقیق کا موضوع بنا کر سمجھئے کہ اردو ادب کی ایک ایسی روایت کا مطالعہ پیش کیا ہے جو بیسویں صدی کی ادلتی بدلتی ادبی فکر اور تجربوں کو اپنی آغوش میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یونس جاوید نے حلقہ کی یہ داستان اس طرح مرتب کی ہے کہ یہاں جو ہنگامے ہوئے جو بحثیں چلیں، جو فتنے کھڑے ہوئے، جن ادیبوں نے گل کاریاں کیں، ان سب کی تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ جب چار یار اکٹھے ہوتے ہیں تو پھر اچھی بری سیاست بھی چلتی ہے۔ یونس جاوید نے اس سے بھی چشم پوشی نہیں کی ہے۔ایک ایک قضیہ کا کھوج لگایا ہے اور کچا چٹھا ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ بے شک یونس جاوید نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی تفصیل کو بھی فراموش نہیں کیا ہے۔اب آپ حلقے کے متعلق جو بات بھی جاننا چاہیں اہم یا غیر اہم وہ آپ کو یہاں دستیاب ہو جائے گی۔ حلقہ کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جس پر تحقیق کا حق ادا نہ کیا ہو۔"(7)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

یونس جاوید کی اس تحقیقی کاوش کو پہلی مرتبہ ''مجلس ترقی ادب'' لاہور نے جنوری ۱۹۸۴ء میں شائع کیا جو کتابی شکل میں 395 صفحات پر مشتمل تھی۔ مصنف نے تحقیق پر کام جاری رکھا اور آخر کار ۲۰۰۳ء میں ''حلقہ ارباب ذوق (تحریک، تنظیم، نظریہ)'' دوست پبلشرز اسلام آباد نے دس ابواب کو ضخیم کتاب کی شکل میں شائع کیا جو ۱۰۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ یونس جاوید نے حلقے کے ہر پہلو، ہر جہت پر تحقیق کر کے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اردو ادب کی اس تحریک کے حوالے سے ان کے اس کام کو پاکستان ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بین الاقوامی سطح پر پذیرائی ملی۔ اس تحقیق کو ہر سطح پر تسلیم کیا گیا۔ یونس جاوید نے اس حلقے کی ادبی سرگرمیوں کو ادوار میں تقسیم کیا اور اس میں حلقہ سے منسلک ادیبوں کے حوالے سے جامع معلومات ملتی ہیں۔ جن میں منیر نیازی، ناصر کاظمی، شہرت بخاری، شیر محمد اختر، محمد حسن عسکری، مختار صدیقی، میرا جی، قیوم نظر، ضیا جالندھری، ممتاز مفتی، اشفاق احمد، سعادت حسن منٹو، انتظار حسین، الطاف فاطمہ، آغا بابر، ن۔ م راشد، ڈاکٹر وزیر آغا، کے حالاتِ زندگی، فن، تحقیقی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

یونس جاوید کی تحقیق کے مطابق ''حلقہ ارباب ذوق'' نے اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے ساتھ اردو لکھنے والوں کے حقوق کی حفاظت، نوجوان لکھنے والوں کی اصلاح و تعلیم، بے لاگ تنقید اور اردو ادب کے لیے سازگار ماحول بنایا۔ حلقے کی ہر نشست میں کچھ مضامین اور نظمیں پڑھی جاتیں جنھیں سننے کے بعد ان پر بے لاگ، بے رحم تنقید کی جاتی۔ اس کا باقاعدہ آئین ترتیب دیا گیا اور کچھ اصول و ضوابط لاگو کیے گئے کہ حلقے کا جلسہ ہر ہفتے ایک رُکن کے مکان پر ہو گا۔ جس کے ذمے سب کو چائے پلانا ہو گی۔ حلقے کی رکنیت محدود رکھی گئی اور حلقہ کے ارکان کو اختیار دیا گیا کہ جس کو چاہیں رکن بنا لیں۔ حلقہ ارباب ذوق کا رُکن بننے کے لیے کوئی چندہ یا فیس نہ رکھی گئی۔ ہر سال کے لیے ایک سیکرٹری چنا جاتا اور صرف ایک مستقبل سیکرٹری رہتا۔ یونس جاوید نے ان سب کو بڑی محنت شاقہ سے حاصل کیا اور ان کو اپنی تحقیق میں واضح کیا۔ خواجہ محمد زکریا ان کاوشوں کا تذکرہ کرتے ہیں:

''یونس جاوید لڑکپن ہی سے حلقے کے ادبی جلسوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے اور جوانی میں اپنی تخلیقات بغرض تنقید سنانے لگے تھے۔ پھر انھیں اس تحریک اور تنظیم کے مورخ ہونے کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔ یونس جاوید نے ''حلقہ ارباب ذوق'' کا ریکارڈ مختلف ذرائع سے بڑی تگ و دو کے بعد حاصل کیا۔ حلقے سے اپنی طویل وابستگی، اس کے ممتاز اہلِ قلم سے ذاتی تعلقات اور اپنی تحقیقی و تنقیدی صلاحیتوں کے بل بوتے پر حلقے کی مکمل تاریخ مرتب کر ڈالی۔ یونس جاوید کا حلقہ اربابِ ذوق سے ''من تو شدم تو من شدی'' والا تعلق قائم ہو گیا ہے۔ انھیں اردو کے تمام بین الاقوامی اداروں میں ''حلقہ ارباب ذوق'' پر سند تسلیم کیا جاتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کی اشاعت سے اس عظیم ادبی تحریک کا مرقع اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ اہلِ نظر کے روبرو زندہ ہو جائے گا اور آئندہ جدید اردو ادب کا تحقیق و تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے یونس جاوید کی اس انتہائی اہم کاوش سے خاطر خواہ استفادہ کیا جائے گا۔''(8)

یونس جاوید نے ''حلقہ ارباب ذوق'' کی تاریخ کو عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق 1972ء سے 1975ء تک ادبی حلقے نے پرانی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی تاہم ایک بڑے ''کل'' سے کٹ جانے کے بعد ذاتی رنجشوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ادبی حلقہ ان سے اپنا دامن نہیں بچا سکا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ادبی حلقے کے ہفتہ وار اجلاس باقاعدگی سے منعقد ہوئے اور ان جلسوں میں ادب کا ایک مخصوص معیار قائم رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ادبی حلقے کو روایت کی پیروی کے باوجود ابھی تک پرانے حلقے جیسا استحکام حاصل نہیں ہوا۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ حلقے کی تقسیم کا غیر فطری عمل ہے۔ جو زیادہ دیر تک قبول نہیں کیا جا سکا۔ چنانچہ ایک حلقے کے ادبا دوسرے حلقے میں شریک ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو یہ صورت بھی پیدا ہوئی ہے کہ ادیب ایک حلقے میں غزل پڑھتا ہے اور اسی روز دوسرے حلقے میں نظم سناتا ہے۔ شرکائے محفل کے وقت کا نصف اول ایک حلقے اور نصف ثانی حلقے میں صرف ہوتا ہے اور سربرآوردہ ادبا بلا تخصیص دونوں حلقوں کی صدارتیں قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا درست ہے کہ نظریاتی اختلاف کے باوجود دونوں حلقے ایک دوسرے کے حریف نہیں بن پائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادب میں آگے بڑھنے اور نکتہ پیدا کرنے کا فروغ نہیں پا سکا۔ ادبی حلقے کو سیاسی حلقے سے ممیز کرنا ممکن نہیں رہا۔ اب یہ کہنا درست ہے کہ حلقے کی تقسیم نے ادب کی اس گرد آلود فضا میں ان کا ادب بھی گدلا کر دیا ہے۔ کسی لحاظ سے اس کا مثبت پہلو بھی ہے۔ یونس جاوید کے مطابق:

''حلقہ ارباب ذوق آج بھی نئے لکھنے والوں کے لیے ایسی کشش کا باعث ہے۔ جو ہر تخلیق کار کی تکمیل میں معاون و مددگار ہوتی ہے اور وہی تخلیق عمل کی طرف نئے لکھاری کو راغب رکھتی ہے۔ انسپائر کرتی ہے ساتھ ہی ساتھ نئی تخلیقات کے لیے حلقہ ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے جہاں کھلی فضا میں تخلیقی اصناف کی پرکھ اور جانچ ہوتی ہے اور یہی پرکھ اس کے لکھاری کو خود سے روشناس کراتی ہے۔''(9)

”حلقہ اربابِ ذوق“ کی شاعری

شاعری کے حوالے سے ”حلقہ اربابِ ذوق“ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ بلاشبہ حلقے نے نئی نظم کو فروغ دینے میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ ”حلقہ ارباب ذوق“ کی ابتدا افسانہ خوانی سے ہوئی تھی۔ میراجی نے اس کا رخ تنقید کی طرف موڑا۔ حلقے کے رفقا میں یوسف ظفر، قیوم نظر، تابش صدیقی اور حلقے کی مرکزی شخصیت میراجی کا شمار نئے شعرا میں ہوتا ہے۔ اس لیے حلقے کا رخ مشاعروں کی طرف ہو گیا۔ حلقہ ارباب شاعری کی طرف ہو گیا۔ ”حلقہ ارباب ذوق“ کی شاعری میں بنیادی اہمیت اس حقیقت کو حاصل ہے کہ شاعر خارج اور باطن دو دنیاؤں میں آہنگ اور توازن کس طرح پیدا کرتا ہے۔ حلقے نے داخل کے اس نغمے کو جگانے کی کوشش کی اس لیے اس شاعری میں مشاہدے کی جہت خارج سے داخل کی طرف سفر کرتی ہے۔ چنانچہ حلقہ اربابِ ذوق کی شاعری در حقیقت دھندلے اجالے سے حسن، نغمہ اور سحر پیدا کرنے کی شاعری ہے۔

یونس جاوید نے حلقہ ارباب ذوق کے ہونے والے اجلاس اُن کی روداد، ادیبوں کی فہرست، حمد، نظم، غزل، افسانہ کی علیحدہ علیحدہ نشاندہی کے ساتھ، حلقے کے بدلتے ہوئے حالات، حلقے کی تقسیم در تقسیم، حلقے کی ادبی سرگرمیوں، شاعری کے انتخابات، حلقے کے تاریخی موڑ، حلقے کے نظریات اور روایات، حلقہ اربابِ ذوق کی ملک اور بیرونِ ملک پھیلی ہوئی شاخوں، اراکین کی فہرست، منتخب خطبات، تخلیقات کی چھان پھٹک اس کے مختلف ادوار میں تقسیم تاریخ، نئے شرکا، تنقید کی روایت کو بہت عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے۔ یونس جاوید نے اس سارے معاملے میں کسی بھی شخصیت کو فراموش نہیں کیا نہ کسی کو نظر انداز کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ”حلقہ ارباب ذوق نے تخلیقی سفر کے علاوہ اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے بھی ہند و پاک کی ان ادبی تحریکوں اور انجمنوں سے عملی اشتراک کیا جو اردو کی ترویج کے لیے کچھ بھی کر رہی تھیں۔ علاوہ ازیں حلقے کی امتیازی خصوصیت اس کی بے لاگ تنقید تھی۔ ہر چند کہ حلقے کے اندازِ تنقید میں مغربی اصولوں سے انحراف نہیں کیا گیا۔ تاہم حلقے کے نقاد حضرات نے اپنی ادبی روایات کو بھی اپنے سفر میں شامل رکھا اور اپنے انتقادی سرمائے سے نئے افق تلاش کیے اور صحیح تنقیدی شعور پیدا کیا ورنہ برصغیر کے اتنے بڑے ادیب و شاعر اپنی تخلیقات کے ساتھ یوں کشاں کشاں حلقے کے جلسوں میں شریک نہ ہوتے۔ سعادت حسن منٹو، احمد ندیم قاسمی، ن۔م راشد، سید عابد علی عابد، میراجی، محمد حسن عسکری، سیّد وقار عظیم، ڈاکٹر محمد صادق، حمید احمد خان، صلاح الدین احمد، ڈاکٹر عبادت بریلوی، راجندر سنگھ بیدی، ڈاکٹر سعید اللہ، اختر الایمان، حفیظ ہوشیار پوری، حامد علی خان، ہاجرہ مسرور، احمد راہی، ڈاکٹر وحید قریشی، الطاف گوہر، حزب اللہ، وجیہہ الدین احمد، ڈاکٹر وزیر آغا، مظفر علی سید، مختار صدیقی، آفتاب احمد خان، آغا بابر، دیوندر ستیارتھی، پرکاش پنڈت، رامانند ساگر، کنہیا لال کپور، اوپندر ناتھ اشک، سیّد امجد حسین، انتظار حسین، اشفاق احمد اور بے شمار لکھنے والے حلقے سے جڑے رہے۔“(12)

حلقہ اربابِ ذوق کا افسانہ

حلقے کی تخلیقی جہت نے اردو افسانے کو بھی متاثر کیا اور بیشتر ان جذبوں کی نشاندہی کو جو اظہار کی راہ نہیں پاتے۔ اس ضمن میں حلقے کے افسانہ نگاروں نے نفسیات کے علم سے کماحقہ فائدہ اٹھایا اور کہانی بیان کرنے کے بنیادی فریضے سے بالعموم کوتاہی برتتے بغیر پلاٹ، کردار اور فضا سے جدید افسانے کا تار و پود مرتب کیا۔ حلقے کے افسانہ نگاروں نے معاشرے کے داغ نمایاں کرنے کے بجائے ان غیر مرئی جذبات کو افسانے میں شامل کیا۔ جن سے فطرت کا کوئی نہ کوئی ذریعہ سامنے آجاتا تھا۔ اہم بات یہ ہے کہ حلقے میں داستان اور افسانے کو اہمیت حاصل تھی۔ ”حلقہ اربابِ ذوق“ میں تنقید کا اولین نشتر بھی افسانے پر ہی آزمایا گیا۔ میراجی کی شمولیت سے اگرچہ شاعری کو زیادہ تقویت ملی تاہم افسانے کی صنف بھی محرومی توجہ نہیں ہوئی۔ حلقے کے افسانہ نگاروں نے شاہکار افسانے لکھے۔ جن میں شیر محمد اختر کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ وہ حلقے کے ساتھ تادم زندگی وابستہ رہے اور انھوں نے افسانے ہی کو اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کے افسانوں میں بنیادی اہمیت نفسیات کو حاصل ہے اور وہ افسانے میں واقعات کا تار و پود اس نفسیاتی کیفیت کو اجاگر کرنے کے لیے ہی تعمیر کرتے ہیں۔ افسانہ شیر محمد اختر کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ ان کی تاریخی حیثیت کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ سعادت حسن منٹو آزادی کے بعد لاہور آئے تو یونس جاوید کی تحقیق کے مطابق انھوں نے ”حلقہ اربابِ ذوق“ میں سب سے زیادہ افسانے پڑھے۔ منٹو نے فرد کے ظاہر پر توجہ کرنے کے بجائے اس کی داخلی جنگ کو موضوع بنایا۔ منٹو کے افسانے جدیدیت کا نقطہ عروج قرار دیا جاتا ہے۔ ”حلقہ اربابِ ذوق“ کے تنقیدی شعور کے حوالے سے یونس جاوید لکھتے ہیں:

> ”منٹو صاحب کی مثال دیتا ہوں جو کم از کم اپنے افسانے پر تنقید برداشت نہ کرنے میں مشہور تھے مگر ان کے افسانوں پر سخت سے سخت تنقید ہوئی۔ یہ تو ضروری نہیں کہ ہم اس تنقید سے اتفاق ہی کریں۔“(13)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

اردو ادب کی تحریکوں کی بات ہو یا اردو ادب کی تاریخ کی "حلقہ اربابِ ذوق" کے ذکر کے بغیر موضوع ادھورا رہے گا۔ یونس جاوید نے اس تنظیم، تحریک، نظریہ کی ساٹھ سالہ کارروائیوں کو بڑی عرق ریزی سے اکٹھا کر کے ایک تحقیقی مقالے کا موضوع بنایا جس پر پنجاب یونیورسٹی نے انھیں ڈاکٹریٹ کی سند عطا کی۔ محقق نے ادب پروری کا حق ادا کر کے نہ صرف تحقیق کی دنیا میں "حلقہ اربابِ ذوق" کو ہمیشہ کے لیے زندہ کیا بلکہ خود کو بھی اردو ادب میں محقق کے روپ میں منوالیا اور ان کی تحقیق کو عالمی سطح پر تسلیم کیا گیا۔ "حلقہ اربابِ ذوق" تاحال زندہ تحریک ہے۔ ابھی تک کے اعداد و شمار کے مطابق اس کا ماضی اور حال، روشن ہے جو کہ اس کے تابناک مستقبل کی نوید ہے۔ یونس جاوید نے یہ مقالہ خواجہ محمد زکریا کی نگرانی میں مکمل کیا۔

"صحیفہ اقبال"

علامہ اقبال کی شخصیت، شاعری اور فکر پر مبنی معلومات مقالہ جات کی شکل میں "صحیفہ" میں چھپتی رہیں۔ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۵ء تک کے "صحیفہ" نمبروں سے یونس جاوید نے فلسفہ اقبال پر تحقیقی مقالہ جات جو وقتاً فوقتاً گیارہ سالوں کو محیط عرصہ میں چھپتے رہے انھوں نے ان مقالہ جات کو اکٹھا کیا اور "صحیفہ اقبال" کے عنوان سے بزم اقبال لاہور کے تعاون سے شائع کرا دیئے۔ اس میں اڑتیس مقالے شامل ہیں جن میں "اقبال کے نظریہ علم کے چند پہلو" ڈاکٹر سیّد عبداللہ کا لکھا ہوا مقالہ جو بتقریب "جشن یک صد سالہ اقبال" منعقدہ ۱۳ جنوری ۱۹۷۴ء میں پڑھا گیا۔ "اقبال کا ایک غیر مطبوعہ خط" بنام سید سجاد حیدر یلدرم اسے خواجہ منظور حسین نے لکھا۔ "اقبال کے نظامِ فکر میں سائنس کا مقام" ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی، "سر اقبال دے نال میل" علامہ اقبال سے ملاقات کی یہ تفصیل پنجابی رسالے "سارنگ" بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ حامد علی خان نے اس مقالے کا لفظی ترجمہ کیا جو "صحیفہ" میں شائع ہوا۔ یونس جاوید نے اس کو بھی "صحیفہ اقبال" میں دوبارہ شائع کیا ہے۔ "اقبال اور مسئلہ ارتقا" جسٹس ایس۔ اے رحمن، "قارئین اقبال کے لیے گوئٹے کی اہمیت" ڈاکٹر ممتاز حسین، "خطبۂ الٰہ آباد کے متعلق اقبال کے چند نادر خطوط" بشیر احمد ڈار، "آثار اقبال" ڈاکٹر وحید قریشی، "اقبال کے اجداد کا سلسلہ" ڈاکٹر محمد باقر، "اقبال کی باتیں اور ملاقاتیں" محمد عبداللہ قریشی، "علامہ اقبال بہ حضور قرآن" پروفیسر مرزا محمد منور، "مطالعۂ اقبال کے نئے گوشے" ڈاکٹر جمیل جالبی، "کلام اقبال میں صنائع کے عناصر" جابر علی سید، "علامہ اقبال کا گوشوارہ آمدنی" ڈاکٹر صفدر محمود، "لاہور میں علامہ اقبال کی قیام گاہیں" ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، "اقبال کی شاعری کا آغاز" کلب علی خان فائق، "علم اور احساس مذہب (ایک انگریزی لیکچر کا ترجمہ و تلخیص) کلب علی خان فائق، "جمہوریت اقبال کی نظر میں" ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی، "اقبال کا تحقیقی مقالہ "فلسفہ عجم" ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، "اقبال کی دعائیں" پروفیسر شریف کنجاہی، "سیّد نذیر نیازی کی ایک نادر تحریر" سیّد نور محمد قادری، "فکرِ اقبال اور مذہبی تجربہ" پروفیسر جیلانی کامران، "اقبال اور برگساں کا ذہنی قرب اور بُعد" جگن ناتھ آزاد، "اقبال کے ہاں حرکی پیکر" پروفیسر اسلوب احمد انصاری، "استفسار" سید فیاض محمود، "اقبال اور رومی" سیّد عبدالواحد معینی، "مکاتیبِ اقبال بنام قائداعظم، پس منظر" سراج منیر، "توشِ آفریدی چراغ آفریدم" ڈاکٹر سلیم اختر، "خطباتِ اقبال کا پسِ منظر" سمیع اللہ قریشی، "اقبال کے پانچ مدون خطوط" ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، "شیخ نور محمد۔۔۔ پیر و مرشدِ اقبال" رحیم بخش شاہین، "اقبال کے پنجابی تراجم" ریاض احمد شاہد، "مولانا ظفر علی خان اور علامہ اقبال" اختر راہی، "ظفر علی خان اور علامہ اقبال" عبدالعزیز کمال کے مقالات علمی، ادبی، تحقیقی لحاظ سے بلند مقام کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا مقالہ اقبال "ایک شاعر جس نے دنیا زمانے پر اپنا سکہ بٹھادیا" جس کا ترجمہ خورشید رضوی نے کیا۔ ڈاکٹر غلام حسن یوسفی کا فارسی مقالہ "اقبال۔۔۔ شاعر حیات) جو شہید یونیورسٹی کی فیکلٹی ادبیات و علوم انسانی میں پروفیسر تھے ان کے مقالے کا ترجمہ ڈاکٹر محمد ریاض نے کیا اور "صحیفہ اقبال" کی زینت بنا۔ یونس جاوید نے اس کاوش کو اپنے اُستاد محقق، نقاد ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے نام کیا ہے۔ بزم اقبال لاہور نے نومبر ۱۹۸۶ء کو اسے شائع کیا۔ یونس جاوید لکھتے ہیں:

> "اردو ادب کے نقادوں، محققوں اور اقبال شناسوں نے فکر و فلسفہ کے شعبوں میں رونما ہونے والے تغیرات سے آگاہی حاصل کر کے اقبال کے تصورات و خیالات کو نئی معنویتیں دینے کے جتن کیے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے اقبال پر ہونے والے سنجیدہ، مستند اور معتبر کام کی کمی نہیں ہے۔ میں "مجلس ترقی ادب" کے مجلہ "صحیفہ" کے عملہ ادارت میں شامل ہوں چنانچہ جب میں نے ان مقالات کو بنظر غائر دیکھا جو گزشتہ دس گیارہ برس کے دوران "صحیفہ" میں شائع ہوئے تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ ایسے مقالات ہیں جن میں اقبال کے فلسفیانہ سرمائے کا نئی سمتوں سے مطالعہ ہوا ہے اور اقبال شناسی کے لیے در وا ہوئے ہیں۔ ان مقالات کی تازگی اور توانائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقالہ نگاروں نے پیش پا افتادہ معیارات اور نئے خیالات کو پیش نظر رکھا ہے۔ یہ مقالات ان کی بھرپور ذہنی اور فکری صلاحیتوں کا روشن اظہار ہیں۔ انھوں نے مطالعۂ اقبال کے حوالے سے معمول کے خیالات کا استعمال کرنے سے گریز کیا ہے اور ذکرِ اقبال کے نئے گوشے منور کرنے کی سعی کرتے ہوئے اقبال کی فکر اور مذہبی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

تجربے کے تناظر میں نادر خیالات کا اظہار کیا ہے۔ان میں کہیں تو برگساں اور گوئٹے کے حوالے سے اقبال کا مطالعہ کیا گیا ہے اور کہیں اقبال اور جمہوریت کے تعلق پر مبسوط اندازِ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے۔"(14)

فکر اقبال کے تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کرنے والے مختلف زاویوں سے اپنے مضامین "صحیفہ" میں چھپواتے رہے۔ان مقالات میں نئے مباحث اور نئے زاویہ ہائے نگاہ سامنے آتے ہیں مگر یہ ممکن نہ تھا کہ یہ مضامین سب کی دسترس میں آتے۔یونس جاوید نے ان کو محنتِ شاقہ سے جمع کیا۔ان کو مرتب کر کے ایک کتاب کی شکل دی۔اُن کا مقصد یہ تھا کہ فکرِ اقبال کا مطالعہ کرنے والوں کو اقبالیات کی سمت و رفتار کا اندازہ مل سکے۔یہی وجہ تھی کہ مقالات کو جمع کرنے کی ان مقالات کے ذریعے علامہ اقبال کی شاعری کی فنی اور ساختیاتی پہلوؤں کے علاوہ فلسفیانہ نکات کو بہتر طریقے سے پرکھا جا سکتا ہے۔یونس جاوید کی اس تحقیقی، تدوینی کاوش میں شامل مقالات میں اقبال کی شاعرانہ فکر، عظمت اور فن کے تخلیقی تصورات کو فروغ دیا ہے۔چند مقالات میں علامہ کی فلسفیانہ فکر کو موضوع بحث بنایا گیا۔"صحیفہ اقبال" میں اقبال کی شخصی تشکیل میں شاعری، فلسفے و فکر کو جو اہمیت حاصل ہے انہی پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے مصنف نے ان مقالات کو مرتب کیا ہے۔یہ مقالات قاری کے لیے تحقیق و تنقید کے مختلف معیار پیش کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

"اقبالیات کی مختلف جہتیں"

"صحیفہ اقبال" کی اشاعت کے تقریباً ڈیڑھ برس بعد علامہ اقبال کی شخصیت، فکر و فن پر "صحیفہ" میں شائع ہونے والے مقالہ جات کا یہ دوسرا مجموعہ جسے یونس جاوید نے "اقبالیات کی مختلف جہتیں" کے نام سے مرتب کیا۔اس انتخاب کو موضوعات کے حوالے سے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔جس کے موضوعات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔پہلے حصے میں "اقبال کے غیر مسلم مداح اور نقاد" ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی تحریر ہے۔یہ مقالہ علمی، ادبی، تحقیقی لحاظ سے بلند مقام کا حامل ہے۔دوسرا مقالہ "اقبال اور چغتائی" کے عنوان سے ہے جس کو ڈاکٹر وحید قریشی نے لکھا ہے۔تیسرے مقالے کا عنوان "سیّد جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال" ہے جسے ڈاکٹر معین الدین عقیل نے لکھا ہے۔چوتھا مقالہ "ڈاکٹر اقبال اور مولانا انور شاہ کاشمیری" کے عنوان سے ہے جسے اختر راہی نے لکھا ہے۔"اقبالیات کی مختلف جہتیں" کے حصہ اول میں یونس جاوید نے ایسے مشاہیر کے حوالے سے مضامین شامل کیے ہیں۔جو علامہ اقبال سے گہری وابستگی رکھتے تھے جن میں خاص طور پر مصورِ مشرق عبدالرحمان چغتائی قابل ذکر ہیں۔ان کے علاوہ دوسری بزرگ ہستیاں جن سے اقبال نے کسی نہ کسی طور پر اثرات قبول کیے۔ان میں سیّد جمال الدین افغانی، مولانا انور شاہ کاشمیری کے نام شامل ہیں۔پہلے حصے میں ان شخصیات کے حوالے سے یونس جاوید نے مقالات یکجا کیے ہیں۔"اقبالیات کی مختلف جہتیں" کے دوسرے حصے میں پانچ مقالہ جات شامل ہیں۔جن میں "اقبال کا تصورِ کائنات" ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی، "اقبال کا نظریہ فنِ تعمیر کے بارے میں" ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، "اقبال اور فکر مغرب" محمد حیات خان سیال، "فکرِ اقبال کا ماخذ" جمیل یوسف، "اقبال اور علم" ریاض صدیقی جیسے ماہرین اقبالیات نے لکھا ہے۔

دوسرا حصہ ان مقالہ جات پر مشتمل ہے۔جن سے علامہ اقبال کے علمی تصورات اُن کے افکار، نظریات کی مختلف جہتیں سامنے آتی ہیں۔فن تعمیر کے بارے میں اقبال کا نظریہ ایک عمدہ تحقیقی کاوش ہے۔فکرِ اقبال کے مختلف مباحث اس حصے میں شامل ہیں۔"اقبالیات کی مختلف جہتیں" کے تیسرے حصے میں یونس جاوید نے اُن مقالوں کو شامل کیا ہے جو کلام اقبال کے متعلق ہے۔اس میں دس مقالہ جات شامل ہیں۔جن میں "علامہ اقبال کا شعری آہنگ اور ضربِ کلیم" پروفیسر مرزا محمد منور، "نادراتِ قبال" قاضی افضل حق قریشی، "علامہ اقبال کی فارسی غزل" پروفیسر مرزا منور، "خفتگانِ خاک سے استفسار" پروفیسر شریف کنجاہی، "علامہ اقبال کی ایک مثنوی۔۔۔ مسافر" میرزا ادیب، "علامہ اقبال کی رباعیات" ڈاکٹر سلیم اختر، "اندلس۔۔۔ کلامِ اقبال کے آئینے میں" ممتاز منگلوری، "اقبال کی دو نظمیں اور اُن کا پس منظر" تحسین سرمدی، "گلشن راز جدید" عشرت رحمانی، "اقبال کے ایک مصرعے کی تشریح" جابر علی سیّد کی تحقیقی کاوشیں شامل ہیں۔اس حصے میں کلام اقبال کی مختلف اصناف کو زیر بحث لایا گیا ہے۔اس حصے میں ضربِ کلیم کے علاوہ اقبال کی فارسی غزل، مثنوی مسافر، رباعیات اور نظموں پر تجزیاتی اور تحقیقی، و تنقیدی مضامین شامل ہیں۔چوتھے حصے میں "داستان از دکن آوردہ ام" محمد عبداللہ قریشی، "علامہ اقبال مزار بابر پر" ڈاکٹر عبدالغنی، صرف دو مقالے شامل ہیں۔جن میں اقبال کا دورہ مدراس اور دورہ کابل کے حوالے سے معلومات ملتی ہیں۔ان مقالات میں اقبال کے شہنشاہ بابر اور سلطان ٹیپو کے مزارات پر حاضری کے حوالے سے تحقیقی مباحث ملتے ہیں۔اس کتاب میں شامل ہر مقالہ اپنے لحاظ سے انفرادیت کا حامل ہے جن کی معلومات معتبر، متوازن، منفرد اور مستند ہیں۔یونس جاوید نے حفظ مراتب کا خیال کرتے ہوئے معلومات کو احسن ترتیب سے پیش کیا ہے۔"اقبالیات کی مختلف جہتیں" میں شامل مقالہ جات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اقبال کے افکار آفاقی قدروں کے حامل ہیں۔اسی لیے ڈاکٹر سلیم اختر نے اُن کو ممدوح عالم قرار دیا ہے۔اقبال نے فلسفے کو شعر کی رعنائی میں ڈھالا ہے۔اس حوالے سے اُن کے کلام پر اُن کے دور میں بہت زیادہ تنقید کی گئی کہ شاعری کا فلسفے سے کیا تعلق ہے۔اقبال کے یہی گوشے اُن کے کلام کو جہاں آفاقیت کی منزل پر پہنچاتے ہیں وہاں پر اُس کی مشکل پسندی بھی اِس کو سمجھنے میں آڑے آتی ہے جو کہ غالب کے ہاں بھی ہے مگر اقبال نے کبھی خود بڑا شاعر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا گو کہ اقبال کے کلام کا تحقیقی، تنقیدی اور عمیق نگاہی سے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اقبال ایک عظیم شاعر تھا۔ اقبال نے خود کو پیغام بر کہا ہے۔ اقبال کے فارسی اور اردو کلام میں نئی نئی تراکیب اور الفاظ موجود ہیں۔ دنیائے علم وادب، فلسفہ و سائنس اور تاریخ سیاست میں اقبال ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے مشرق و مغرب اُن کی عظمت کے قائل ہیں۔ آج کی تمام مہذب دنیا اقبال کی سوچ، اُن کی فکر اور اُن کے پیغام سے متاثر نظر آتی ہے کیوں کہ اقبال چالیں بدلتے ہوئے ستاروں، دنیا کے بدلتے احوال، طاقت کی جنگ، محکوموں کے زوال، اپنے عہد کے مختلف تحریکات اور رجحانات کا نہ صرف گہرا شعور رکھتا تھا بلکہ اس کے صحت مند عناصر کو بھی سمجھ کر اُن سے اپنی قوم کو تعلیم دی۔ دنیا کی ہر قوم نے فکرِ اقبال سے متاثر ہو کر اُس سے فائدہ حاصل کیا ہے اس مقصد کے حصول کے لیے اقبال کی شاعری کے مختلف زبانوں میں تراجم کیے گئے اس حوالے سے اقبال نے نہ صرف مسلمان قوم بلکہ تمام بنی نوع انسان کو اپنے حیات بخش پیغام سے نوازا ہے۔ مظلوم، محکوم برصغیر کے مسلمانوں کے احساسِ کمتری کو دور کرنے کے لیے اُن کا شاندار ماضی اُنھیں یاد دلایا۔ اُن کی ولولہ انگیز شاعری نے مسلمانوں کے اندر ایک تڑپ پیدا کی جو قیامِ پاکسان کی شکل میں سامنے آئی۔ اقبال نے فلسفہ مغرب کا بہت قریب سے مطالعہ کیا مگر خود کو ایک مسلمان کی حیثیت سے اسلامی اقدار میں ڈھالے رکھا جو اُن کے بلند فکر اور شعور کا عکاس ہے۔ اقبال کو قرآن اور صاحبِ قرآن سے بے حد محبت اور عقیدت تھی۔ اُن کے کلام میں یہ عناصر موجود ہیں۔ ''اقبالیات کی مختلف جہتیں'' میں ''اقبال کے غیر مسلم مداح'' جو کہ ڈاکٹر سید عبداللہ کا مقالہ ہے اس کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے فلسفی اقبال کی عظمت اور اہمیت کے معترف ہیں۔ اس لحاظ سے کئی اقبال شناس مشہور ہیں۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ لکھتے ہیں:

> ''اقبال نے فلسفہ مغرب کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اس کا فلسفہ، نطشے اور برگساں کا بڑی حد تک مرہونِ منت ہے۔ اس کی شاعری شیلے کی یاد دلاتی ہے۔ لیکن وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے سوچتا ہے اور محسوس کرتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ بہت مقبول ہے۔ وہ مذہب کے بارے میں بہت پُرجوش ہے۔ وہ ایک نئے حرم (مکہ) کی تعمیر میں مصروف ہے۔۔۔ اس نئی بستی سے مراد ایک عالمگیر مذہبی مثالی ریاست ہے جس میں دنیا بھر کے مسلمان نسل و وطن کی قید سے بے نیاز ایک ہو جائیں گے۔ وہ استعماریت اور وطنیت دونوں کا مخالف ہے۔ وہ جس ریاست کا خواب دیکھتا ہے اس میں دین کی بادشاہت ہو گی۔ مشیاولی کی سیاست کا خاتمہ ہو جائے گا۔ وہ جہاد کا قائل ہے لیکن یہ جہاد ملک گیری کے لیے نہ ہو گا۔ فی سبیل اللہ ہو گا۔ اس کا مقصد اشاعت کلمہ توحید ہو گا۔ نکلسن کی رائے یہ ہے کہ احیائے اسلام اور رجوع الی القرآن کے نعرے تو پہلے بھی بارہا سننے میں آئے ہیں۔ لیکن اقبال کے کلام میں، یہ نعرہ مغربی حکمت کے ہتھیار سے مسلح ہے۔ فکرِ اقبال کا مرکزی نکتہ تصور خودی ہے۔ جو فرد اور ملت کے لیے سرچشمہ قوت ہے۔ وہ ہندو ویدانیت اور صوفیانہ وحدت الوجود دونوں کو مہلک سمجھتا ہے اور مغرب کی عقلی اور تجربہ تعبیر و تعمیر کا قائل ہے۔ وہ کامل افراد کی صلاحیتوں میں اعتقاد رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ تصوری اور مثالی عینی فلسفوں اور رسمی تصوف کا مخالف ہے۔ اپنے مقدمے میں نکلسن نے خودی کی حقیقت، خودی اور شخصیت، خودی کی تربیت اور نیابتِ الٰہی کی تشریح (اسرارِ خودی کی روشنی میں) کی ہے۔''(15)

''اقبالیات کی مختلف جہتیں'' تفہیم اقبال کی ایک عمدہ کاوش ہے۔ جس کام کا سارا کریڈٹ یونس جاوید کی ذات کو جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی اس کاوش کو ''صلاح الدین محمود کے نام'' کیا ہے۔ اس کی اشاعت جنوری 1988ء کو منظرِ عام پر آئی۔ جس میں محققین نے اس بلند پایہ شاعر اور فلسفی کو نہ صرف مزاجِ عقیدت پیش کیا ہے بلکہ دلکش تحقیقی نظر کے ذریعے اقبال کی شخصیت، شاعری، فلسفہ اور پیغام کو خاص و عام تک پہنچایا۔

حوالہ جات

1۔ ڈاکٹر گیان چند: ''تحقیق کا فن'' روہی بکس، فیصل آباد، ۲۰۱۸ء، ص ۹
2۔ یونس جاوید: ''کلیاتِ ناسخ'' (جلد اول)، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۳
3۔ ایضاً، ص ۲۷
4۔ یونس جاوید: ''ایک چہرہ یہ بھی ہے'' جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، 2017ء، ص ۶۳۔۶۲
5۔ انتظار حسین: (پس ورق) خواجہ محمد زکریا: (تبصرہ) از یونس جاوید: ''حلقہ اربابِ ذوق (تنظیم، تحریک، نظریہ)'' دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء
6۔ ایضاً، ص ۱۸۔۱۷

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

7۔ ایضاً، ص ۶۵

8۔ ایضاً، ص ۲۷

9۔ ایضاً، ص ۱۷۱

10۔ یونس جاوید: ''صحیفہ اقبال'' بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۵

11۔ یونس جاوید: ''اقبالیات کی مختلف جہتیں'' بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۳